داعئ حق کی خصوصیات

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہ العالی کا ایک تازہ انٹرویو)

مرتبہ: سلیم منصور خالد - ایم - اے

یہ انٹرویو عالمی تحریکاتِ اسلامی کے فکری قائد اور بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن امریکہ و کینیڈا (M.S.A) کے نمائندہ جناب انیس احمد نے ۸ اپریل ۱۹۷۹ء کو لیا - یہ انٹرویو دراصل ایم ایس اے کے سالانہ اجتماع کے شرکاء کے لیے پیغام کے طور پر فلم بند ریکارڈ کیا گیا، جو کہ ایک ہی سوال اور اس کے جواب پر مشتمل ہے - مولانا محترم کی صحت کا لحاظ کرتے ہوئے مزید سوالات نہیں کیے گئے - اس طرح یہ اپنی جگہ پر ایک مکمل گفتگو ہے -

(ادارہ)

نمائندہ - ایم - ایس - اے | مولانا! سب سے پہلے میں جنوبی امریکہ اور کینیڈا کے مسلمانوں اور مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی جانب سے آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہماری دعوت کو قبول فرمایا اور ناسازیٔ طبع کے باوجود ہمارے سالانہ اجتماع ۱۹۷۹ء کے لیے خصوصی انٹرویو دینا پسند فرمایا - یہ اللہ تعالیٰ کی نہایت مہربانی اور اس کا فضل ہے کہ جنوبی امریکہ میں تحریک اسلامی کی فکر آپ کی اور اخوان المسلمون کے رہنماؤں کی تحریروں کی بدولت تیزی سے پھیل رہی ہے اور اسلامی انقلاب کا تصور ذہنوں میں جڑ پکڑ رہا ہے - آج امریکہ میں بے شمار انسان آپ کی ایک جھلک دیکھنے اور آپ کی طرف سے رہنمائی کے چند کلمات سننے کے منتظر ہیں - انہی کی خواہش پر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں.

سوال:- محترم مولانا! قرآن کریم، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی الی اللہ قرار دیتا ہے۔ آپ قرآن اور سیرتِ پاک کی روشنی میں ایک داعیٔ حق کی کون سی اہم خصوصیات بیان فرمائیں گے؟

جواب:- از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی:- امریکہ اور کینیڈا میں جو اللہ کے بندے تحریک اسلامی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان سب کو میری طرف سے سلام پہنچا دیجیے۔ میں زیادہ دیر تک بات نہیں کر سکتا اس لیے مختصر طور پر آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔

قرآن کریم میں ایک آیت ہے جس میں ایک داعی کی اہم خصوصیات کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:-

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ۔

"یعنی اس شخص سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں"۔

اس ارشاد کی پوری اہمیت سمجھنے کے لیے یہ چیز نگاہ میں رکھنی ضروری ہے کہ یہ بات مکہ معظمہ کے حالات میں کہی گئی۔ یہ وہ دور تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروؤں پر شدید مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ ایسے عالم میں یہ کہنا اور اس بات کا اعلان کرنا کوئی آسان کام نہ تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ ایسی بات کہنا گویا اپنے آدم خور درندوں کو حملہ آور ہونے کی دعوت دینا تھا۔ ان حالات میں پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ بہترین قول اس شخص کا ہے جو اللہ کی طرف بلائے۔ دوسرے الفاظ میں ایک داعیٔ حق کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی دعوت اللہ کی طرف ہو، کوئی دنیاوی غرض اس کے سامنے نہ ہو، نہ وطنی، نہ قومی، نہ خاندانی اور نہ مادی۔ کوئی دوسرا مقصد اس کے پیش نظر نہ ہونا چاہیے۔ کوئی شخص خالص اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہو تو قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ایسے داعی کی اولین خصوصیت یہ معلوم ہوتی کہ اسے اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینی چاہیے۔ اس بات کی دعوت دینی چاہیے کہ خدا کے سوا کسی کی بندگی، کسی کی عبادت اور کسی کی پرستش نہ کی جائے۔ خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہو، خدا کے سوا کسی سے کوئی طمع

نہ ہو، صرف خدا ہی کے احکام اور اس کے فرامین کی اطاعت اس کے پیش نظر ہو۔ اسی کے قانون کی پیروی مطلوب ہو۔ آدمی دنیا میں جو کام بھی کرے یہ سمجھتے ہوئے کرے کہ میں کس کا بندہ ہوں اور کس کے سامنے جا کر مجھے جوابدہی کرنی ہے۔ انسان کی تمام کوششوں اور ساری جدوجہد کا مرکز و محور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر اور اس کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ داعی حق عَمِلَ صَالِحًا کی خوبی سے آراستہ ہو۔ یعنی نیک عمل کرے۔ اس فرمان پہ ذرا بھی غور کیا جائے تو پورا مفہوم واضح ہو جائے گا۔ یہ کہ دعوت دینے والے کا اگر اپنا عمل درست نہ ہو تو پھر اس کی دعوت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ ایک انسان جس چیز کی طرف دعوت دے اُسے اس کا عملی مجسمہ ہونا چاہیے۔ اس کی اپنی زندگی میں خدا کی نافرمانی کا کوئی شائبہ تک نہ پایا جائے، اس کے اخلاق ایسے ہونے چاہئیں کہ کوئی شخص اس کے دامن پہ ایک دھبہ تک نہ دیکھ سکے۔ اس کے گردوپیش کا ماحول، اس کا معاشرہ، اس کے دوست، اس کے عزیز و اقارب سب یہ جانتے ہوں کہ ہمارے درمیان یہ ایک نہایت بلند اور پاکیزہ کردار آدمی ہے۔

یہ تعلیم ہمیں قرآن پاک کے ساتھ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی قدم قدم پر ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی حیاتِ طیبہ شہادت دیتی ہے کہ جب وہ خدا کی طرف سے دعوتِ حق دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ معاشرہ جس میں آپؐ چالیس سال سے موجود تھے آپؐ کے عظیم الشان کردار کا شاہد تھا۔ اس معاشرے میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جو آپؐ کی بلندیٔ اخلاق کا قائل نہ ہو اور آپؐ کے ظاہر و باطن کی زندگی کا معترف نہ ہو۔ جو آپؐ کے جس قدر قریب تھا وہ اتنا ہی آپؐ کا زیادہ معتقد تھا۔ جن افراد سے آپؐ کی زندگی کا کوئی پہلو چھپ نہیں سکتا تھا انہوں نے سب سے پہلے آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پندرہ سال سے آپؐ کی زوجیت میں تھیں اور وہ کوئی کمسن عورت نہیں تھیں بلکہ عمر میں اُن سے بڑی تھیں۔ جس وقت آپؐ نے نبوّت کا دعویٰ کیا اس وقت اُن کی عمر پچپن سال تھی۔ ایک ایسی پختہ، سن رسیدہ اور دانشمند خاتون سے جس نے پندرہ سال سے اپنے شوہر کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہو، شوہر کا کوئی عیب اُس سے چھپ نہیں سکتا۔ دنیاوی اغراض کے لیے ایک بیوی اپنے شوہر کے ناجائز کاموں میں بھی شریک ہو سکتی ہے لیکن

اس پر ایمان کسی صورت نہیں لا سکتی - عقیدۃً بھی وہ یہ ماننے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو سکتی کہ یہ شخص خدا کا رسول ہو سکتا ہے یا اسے ہونا چاہیے - لیکن حضرت خدیجہؓ آپؐ کی اس حد تک معتقد تھیں کہ جب آپؐ نے نبوت کی بشارت کا ماجرا بیان فرمایا تو انہوں نے ایک لمحے کا تامل کیے بغیر اسے تسلیم کر لیا -

قریب سے دیکھنے والے دوسرے شخص زید بن حارثؓ تھے جو غلام کی حیثیت سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے میں آئے تھے - جب آئے تھے تو پندرہ برس عمر تھی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز ہوا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی عمر تیس سال تھی - اس کا مطلب یہ ہے کہ پورے پندرہ سال انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہ کر ہر طرح سے اور ہر پہلو سے آپؐ کی زندگی کو دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کا موقع ملا - اور ان کی شہادت ایک خاص صورتِ واقعہ میں سامنے آتی ہے - واقعہ یہ تھا کہ وہ بچپن میں والدین سے بچھڑ گئے تھے اور خدا کی قدرت نے انہیں حضورؐ تک پہنچا دیا - جب ان کے والدین اور ان کے چچا کو معلوم ہوا کہ ہمارا بیٹا فلاں جگہ غلامی کی زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ مکہ معظمہ آئے - یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے - انہوں نے آکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ:

"آپؐ کا بڑا احسان ہوگا، اگر آپؐ ہمارے اس بیٹے کو آزاد فرما دیں"

آپؐ نے فرمایا کہ:-

"میں لڑکے (زید) کو بلا لیتا ہوں، وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں آپ کے ساتھ روانہ کر دوں گا، اور اگر وہ میرے ساتھ رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو میرے ساتھ رہنا چاہے تو اسے زبردستی اپنے سے علیحدہ کر دوں"-

آپؐ کی اس بات کے جواب میں، انہوں نے کہا کہ آپؐ نے بہت انصاف کی بات کہی ہے - آپؐ زید کو طلب فرمائیے - جب حضرت زیدؓ ان کے سامنے آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟"

حضرت زیدؓ نے کہا:

"جی ہاں! یہ میرے والد اور چچا ہیں"-

آپؐ نے فرمایا کہ:

"یہ تمہیں گھر واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں، تم جانا چاہو تو بڑی خوشی سے اُن کے ساتھ جا سکتے ہو۔"

ان کے والد اور چچا نے بھی یہی کہا کہ "ہم تمہیں لے جانا چاہتے ہیں۔"

حضرت زیدؓ بن حارث نے کہا کہ:

"میں نے اِن میں (حضورؐ کی طرف اشارہ) ایسی خوبیاں دیکھی ہیں کہ جن کے بعد انہیں چھوڑ کر میں اپنے باپ اور چچا اور رشتہ داروں کے پاس جانا نہیں چاہتا۔"

یہ تھی آپؐ کے اخلاق کے بارے میں آپؐ کے خادم کی گواہی۔ ایک خادم احسان مند تو ہو سکتا ہے لیکن اتنا متاثر اور گرویدہ نہیں ہو سکتا کہ اپنے مخدوم پہ ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کردار کی ایسی بلندی اور اخلاق کی ایسی پاکیزگی دیکھی ہو کہ جس کے بعد اُسے یہ ماننے میں ذرا تامل نہ ہو کہ میرا مخدوم نبی ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ حضرت زیدؓ بن حارث کسی معمولی قابلیت کے آدمی نہیں تھے۔ مدینہ طیبہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہوئی تو انہیں بکثرت فوجی مہمات میں لشکرِ مجاہدین کا سالار بنایا گیا۔ یہ گواہی ایسی قابلیت کے انسان کی گواہی تھی۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جنہیں نبوت سے پہلے بیس سال تک ایک گہرے دوست کی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کا موقع ملا، اُن کی نشست و برخاست آپؐ کے ساتھ تھی۔ اور مکہ معظمہ میں سب سے زیادہ جن دو آدمیوں کی دوستی تھی ان میں سے ایک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور دوسرے حضرت ابوبکرؓ صدیق۔ ایک دوست اپنے دوست کو پسند کر سکتا ہے، اس سے اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے۔ لیکن کبھی اتنا معتقد تو نہیں ہو سکتا کہ اُس کو نبی مان لے۔ حضرت صدیقؓ کا بلا تامل آپؐ کو نبی مان لینا ظاہر کرتا ہے کہ بیس سال کی ایک طویل مدت کے دوران میں انہوں نے آپؐ کو اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کا مجسم نمونہ پایا۔ جب ہی تو انہوں نے یہ تسلیم کیا۔ اور اسی بات کا اعلان کیا کہ اتنے بلند کردار کا آدمی یقیناً نبی ہو سکتا ہے اور اس کو نبی ہونا چاہیے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام میں نے پہلے اس لیے نہیں لیا کہ اس وقت وہ دس سال کے تھے۔

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہی میں پرورش پائی تھی۔ لیکن دس سال کا بچہ بھی جس کے گھر میں ہو جس کے پاس رہتا ہو اس کے ہر پہلو سے واقف ہوتا ہے۔ خصوصاً اتنا ذہین انسان جیسا کہ حضرت علیؓ اپنی خصوصیات کی بنا پر آگے چل کر ثابت ہوئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچپن میں بھی یقیناً اتنی ذہانت رکھتے تھے کہ جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ذہین بچے کا اس بات کو مان لینا اس کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ آپؐ کی شفقت، آپؐ کے انتہائی پاکیزہ اور بلند اخلاق و کردار سے واقف تھا۔

اس لیے عَمِلَ صَالِحاً کے سلسلہ میں ان اعلیٰ مثالوں سے معلوم ہوا کہ انسان جس چیز کو پیش کر رہا ہو۔ اس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس دعوت کے مطابق بسر ہو رہی ہو۔ وہ اتنے پاکیزہ اخلاق اور بلند کردار کا مالک ہو کہ جب وہ اللہ کے راستے کی طرف بلانے کے لیے اٹھے تو اس کی بات میں وزن ہو۔ اور اس کے قول میں اثر، اس کا عمل شہادت دے اور لوگ تسلیم کریں کہ یہ واقعی اپنے قول میں سچا ہے۔ قطعِ نظر اس سے کہ لوگ اس چیز کو مانیں یا نہ مانیں ـــــ لیکن یہ تو ان کو ماننا پڑے گا کہ یہ آدمی اپنے قول میں سچا ہے، جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس بنا پر کہہ رہا ہے کہ وہ اس نظریے، اس اصول اور اس دعوت کا قائل ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن ابوجہل نے ایک مرتبہ خود کہا "کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تم کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جو تم لائے ہو جھوٹا کہتے ہیں"۔ یعنی آپ کا بدترین دشمن بھی آپؐ کی صداقت کا قائل تھا۔ پس ایک داعی کی دوسری بڑی خصوصیت اس کے قول و عمل کی یہ صداقت ہے، یہ بلندیٔ کردار ہے اور یہ پاکیزگیٔ اخلاق ہے۔

تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی گئی: وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (یعنی وہ کہتا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اسے سمجھنے کے لیے مکہ معظمہ کا وہ ماحول پیش نظر رہنا چاہیے جسے میں شروع میں بیان کر چکا ہوں ـــــ یہ وہ دور تھا کہ جب کسی فرد کا اٹھ کر یہ اعلان کرنا کہ میں مسلمان ہوں، کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بلکہ درندوں کو اپنے اوپر حملہ آور ہونے کی دعوت دینا تھا ـــــ تو داعیٔ حق کی یہ خصوصیت سامنے آتی ہے کہ وہ نہ صرف اللہ کی طرف دعوت دینے والا ہو، نہ صرف پاکیزہ عمل رکھنے والا ہو، بلکہ وہ بدترین دشمنوں اور انتہائی ناسازگار حالات میں بھی اپنے مسلمان ہونے سے انکار نہ کرے۔ اپنے مسلمان ہونے کو چھپائے نہیں۔ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان اور اقرار کرنے

میں وہ نہ شرمائے، نہ جھجکے اور نہ ڈرے۔ بلکہ کھلم کھلا یہ کہے کہ "ہاں میں مسلمان ہوں جو کچھ جس کا جی چاہے کرلے"۔ دوسرے الفاظ میں داعیٔ حق کی تیسری بڑی اور اہم خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ نہایت جری آدمی ہو، نہایت بہادر آدمی ہو — کسی بزدل آدمی کا کام نہیں ہے کہ وہ خدا کے راستے کی طرف دعوت دے۔ جو ذرا سی چوٹ لگنے پر بلبلے کی طرح بیٹھ جانے والا ہو۔ ایسا انسان کبھی خدا کے راستے کی طرف نہیں بلا سکتا۔ خدا کے راستے کی طرف دعوت جو شخص دے سکتا ہے وہ، وہ ہے جو سخت سے سخت دشمنی کے ماحول میں، مخالفت کے ماحول میں، خطرات کے ماحول میں اسلام کا علم لے کر اٹھ کھڑا ہو اور اس بات کی پروا نہ کرے کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات، اس شجاعت کا ایک مکمل اور عملی نمونہ ہے۔ مکہ معظمہ میں کھلم کھلا آپؐ نے دعوت اسلام پیش کی۔ شہادتِ حق کا فریضہ انجام دیا اور اُن لوگوں کے درمیان یہ کام جاری رکھا، جو آپؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے، اور جنہوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ آپ مسلسل تیرہ سال تک اس ماحول کی تمام تر تاریکیوں، سختیوں اور مصیبتوں کے درمیان اپنی دعوت پیش کرتے چلے گئے۔ پھر مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد جو حالات پیش آئے، جن خطرناک اور بڑی بڑی لڑائیوں سے سابقہ پیش آیا، اُن میں بھی آپؐ کا قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹا۔ غزوۂ حنین کے موقع پر جب کہ مسلمانوں کو تقریباً شکست ہو چکی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف اپنے مقام پر موجود رہے بلکہ میدانِ جنگ میں برابر آگے دشمن کی صفوں کی طرف بڑھتے چلے گئے اور اس بات کو چھپایا بھی نہیں کہ "میں کون ہوں"۔ آپؐ فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

"میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں — میں ابن عبدالمطلب ہوں"۔

یہ اعلان آپؐ اس جنگ میں ایسے حالات کے دوران میں کر رہے تھے، جب آپؐ دشمنوں کے نرغے میں تھے اور ساتھ صرف دو تین ساتھی رہ گئے تھے۔ اس وقت بھی یہ کہا کہ "ہاں! میں نبی ہوں"۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ایک داعیٔ حق کو اتنا شجاع اور اتنا بہادر ہونا چاہیے جو اللہ

کی راہ کی دعوت دینے کے لیے کھڑا ہو۔ اگر داعی میں ہمت، شجاعت، استقامت اور بہادری کا جوہر نہ ہو تو وہ اس راہ میں کھڑا ہو نہیں سکتا، اور اگر کھڑا ہو بھی جائے تو اپنی بزدلی کی وجہ سے اُلٹا اس مشن کو نقصان پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ وہ چند باتیں تھیں جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہیں۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو یہ بجائے خود دعوت اِلی اللہ کا مکمل پروگرام ہے جس کے مطابق ہر جگہ، ہر ماحول میں کام کیا جا سکتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ